ڈاکٹر وجیہ الدین، ریڈر،
شعبہ فارسی، مہاراجہ سیاجی راو یونیورسٹی، گجرات

فارسی شاعری میں تصور حیات

فارسی شاعری کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن محمد بن وصیف سجزی (وفات ۹۰۰ء/۲۸۷ھ) کو جو یعقوب بن لیث (۲۶۵۔ ۲۴۷ھ) کا دبیر تھا، فارسی کا اولین شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس دور سے آج تک کا وقفہ تقریباً ۱۲۵۰ سال کا ہے۔ اس دوران ہزاروں فارسی شاعر گزرے ہیں جنہوں نے مختلف اصناف میں اور مختلف موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فارسی شاعری ادبی لحاظ سے نسبتاً دوسری زبانوں سے بہت زیادہ غنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو۔ جس پر شعرا نے اشعار نہ کہے ہوں مثلاً اخلاق، پند و نصائح، عشق و عاشقی، تصوف، زندگی کے درد و الم، گونا گون خیالات و جذبات، زندگی کے تجربات، فلسفیانہ اور Metaphysical Truth، انسانی تصورات اور کائنات کی خوبصورتی، سماجی اور سیاسی حالات وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام موضوعات میں سے ایک اہم موضوع زندگی کا تصور بھی ہے یعنی انسان اس دنیا میں کیوں آیا ہے۔ زندگی کی حقیقت اور اس کا مقصد کیا ہے؟

اس بات کو شعرا نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ مثلاً زندگی چند روز ہے، انسان کو

اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، دنیا فانی ہے اور اس کو دوام حاصل نہیں لہذا اس سے دل نہیں لگانا چاہیے۔ زندگی پانی پر ایک حباب کی مانند ہے، یہ دنیا آئینہ کی مانند ہے اور ہماری زندگی کی نوعیت اس پر نقش ونگار کی سی ہے۔ زندگی ایک قابلِ قدر نعمت ہے، زندگی عشق کا نام ہے۔ وغیرہ وغیرہ ان تمام موضوعات کو فارسی شعرأ نے مختلف اور گونا گون انداز میں پیش کیا ہے۔ مسطورِ ذیل میں اس کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

فارسی کا اولین صاحب دیوان شاعر رودکی (وفات ۳۴۳ھ/۹۵۴ء) کا نظریہ ہے کہ دنیا میں انسان کو ہمیشہ خوش رہنا چاہیے یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس پر افسوس کرنا بے سود ہے گزرے ہوئے وقت کو یاد نہ کرو افسوس کہ یہ دنیا فانی ہے۔

شاد زی، با سیاہ چشمان، شاد　　کہ جہان نیست جز فسانہ وباد
ز آمدہ شادمان باید بود　　وز گذشتہ نکرد باید یاد
باد وابرست این جہان، افسوس!　　بادہ پیش آر، ہرچہ بادا باد

رودکی کا یہ بھی نظریہ ہے کہ زندگی خواہ طویل ہو یا مختصر اس کو ایک نہ ایک دن موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ چاہے اسکو مشکل اور پریشانی کے ساتھ گذارئے اور چاہے حفظ وامان اور خوشحالی کے ساتھ بسر کیجئے دنیا کی یہ ساری رونقیں اور چمک دمک خواب کی مانند عارضی اور مجازی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

زندگانی چہ کوتہ وچہ دراز　　نہ بآخر بمُرد باید باز؟
ہم بچنبر گزار خواہد بود　　این رسن را، اگرچہ ہست دراز
خواہی اندر عنا وشدت زی　　خواہی اندر امان بشدت وناز
این ہمہ باد وبود تو خوابست　　خواب را حکم نی، مگر بمجاز

این ہمہ روزِ مرگ یکسانند
نشناسی زیک دگر شان باز

عمر خیام (وفات ۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء) نے بھی اپنی رباعیات میں زندگی سے متعلق متعدد نظریات پیش کئے ہیں۔ مثلاً ایک رباعی میں کہتا ہے کہ افسوس کہ یہ انسانی جسم اور سارے سامانِ تعیش ہیچ ہیں۔ ان کو بقا حاصل نہیں۔ خیام لوگوں کو یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ موت اور زندگی کی کشاکش میں ہم صرف ایک سانس سے وابستہ ہیں اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

ہیہات کہ این جسم مجسم ہیچ است — وین دائرہ وسطح فخیم ہیچ است
دریاب کہ در کشاکشِ موت وحیات — وابستۂ یک دمیم و آن ہم ہیچ است

دوسری رباعی میں یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ زمانہ سے اس بات کی امید نہیں رکھنی چاہئے کہ اس سے خوشی اور شادمانی حاصل ہوگی، کیونکہ زندگی کا ماحصل تو موت اور غم ہے دنیا نے اتنے کیقباد اور جمشید مارے ہیں کہ اب خاک کا ہر ذرہ کسی نہ کسی کیقباد یا جمشید ہی کی خاک کا ذرّہ ہے اس دنیا کا حال اور اس زندگی کی اصلیت حساب وخیال اور دھوکے اور فریب سے زیادہ نہیں۔

شادی مطلب کہ حاصل عمر غمی است — ہر ذرّہ خاک کیقبادی وجمی است
احوال جہان واصل این عمر کہ ہست — خوابی وخیالی وفریبی ودمی است

خیام مزید کہتا ہے کہ اگر زندگی کا ایک بھی لمحہ گذارنے کے لیے ملے تو اسے بھی خوش وخرمی کے سوا اور کسی طریقے پر نہ گذاز انسان کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اس دنیا کا جو کچھ بھی سرمایہ ہے وہ اس کی عمر عزیز ہے۔ اسے ضائع کرنے کے بجائے آرام ومصائب سے بے پرواہو کر اس کو صحیح مصرف میں لگانا چاہیے۔

گر یک نفست زِزندگانی گذرد — مگذار کہ جز بہ شادمانی گذرد

زنہا کہ سرمایۂ این ملک جہان　　عمراست چنان کش گذرانی گذرد

دنیا میں رہ کر اپنی زندگی غم والم میں بسر کرنا اور دنیا اور اسباب دنیا کے لیے ہر وقت پریشانی اور فکر میں مبتلا رہنا خیام کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ یہ اس قدر مال واسباب کا غم اور اس درجہ دنیا کی حسرت آخر کس لیے کیا تم نے کبھی کسی کو ہمیشہ زندہ رہتے دیکھا ہے پھر دو دن کی زندگی کو خود اپنے ہاتھوں کیوں تلخ کئے لیتے ہو۔ تمہارے جسم میں رکھا ہی کیا ہے ایک ذرا سا سانس ہے وہ بھی مستعار ہے جسے عطا کرنے والا جب چاہے واپس لے لے پھر ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اس بالکل عارضی، غیر مستقل اور مستعار زندگی کو مستعار چیز ہی کی طرح برتنا چاہیے اسے خواہ مخواہ اپنی چیز سمجھ کر نہ تو اس کا گرویدہ ہونا چاہیے اور نہ بے فائدہ رنج والم کا شکار رہونا چاہیے۔

چندین غم مال وحسرت دنیا چیست　　ہرگز دیدی کسی جاوید بزیست

این یک نفسی کہ درتنست عاریت است　　با عاریتی عاریتی باید زیست

خیام کا خیال ہے کہ زندگی درحقیقت عشق کا نام ہے:

سر دفتر عالی معانی عشق است　　سر بیت قصیدہ خوانی عشق است

ای آنکہ خبر نداری از عالم عشق　　این نکتہ بدان کہ زندگانی عشق است

نظامی گنجوی (وفات: ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) کا نظریہ ہے کہ اس جہانِ چند روزہ میں زندگی ہی اصل سرمایہ ہے لہٰذا انسان کو اس کی قدر کرنی چاہیے اور اسکو طاعت وبندگی میں گذارنا چاہیے، کیونکہ حکم ربانی ہے وَمَاخَلَقتُ الجِنّ (مین نے جن وانس کو اطاعت اور فرمان برادری کے لیے پیدا کیا ہے)۔ زندگی کا اصل مقصد یہی ہے۔ یعنی زندگی آمد برای بندگی اسکو لہو ولعب کے بجائے خدا کی اطاعت وفرماں برداری میں گذارنا چاہیے جب یہ حقیقت مسلّم ہے کہ اس دنیائے

فانی سے ہر شخص کو ایک دن کوچ کرنا ہے تو اسکو غفلت اور خدا فراموشی کے بجائے یاد الٰہی میں گذارنا چاہیے اور اس طرح حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے چونکہ زندگی انسان کو مفت ہی حاصل ہوگئی ہے اس لیے اس کی نظر میں اس کی کوئی قدر نہیں۔ افسوس صد افسوس۔

حقش بگذار در طاعت، بیاموزش معانی را　　زنقد ونسیہ عالم ہمین عمر ست سرمایہ

چو میدانی کہ باید رفت ازین ہشیار دل تر شو

نباید برد چون مستان بغفلت زندگانی را

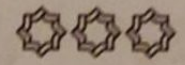

بحاصل می توان کردن حیاتِ جاودانی را　　بھرزہ میدہی برباد عمر نازنین کزوی

بزرنجریدہ ای جان را، از آن قدرش نمی دانی

کہ ہندو قدر نشناسد متاع رایگانی را

شیخ سعدی (۵۷۱ھ-۶۹۱ھ) کا خیال ہے کہ زندگی پر غرور نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ ہوا کے مانند ایک آنی جانی شے ہے اور جوانی بھی بجلی کی کوند کی مانند ہے۔ پس عمرِ رواں کے ختم ہونے سے پہلے انسان کو زیادہ سے زیادہ عبادتیں اور نیکیاں کر کے خود کو فردوسِ برین کے اہل بنانا چاہیے۔

باداست غرورِ زندگانی　　برقست لوامع جوانی

دریاب دمی کہ میتوانی　　بشتاب کہ عمر درشتابست

سعدؔی کا یہ بھی نظریہ ہے کہ دنیا اور زندگی دونوں فانی ہیں۔ انسان نے دنیا میں جو نیکیاں کی ہوتی ہیں ان ہی کی وجہ سے اسکو یاد کیا جاتا ہے۔ دنیا میں عیش نصیب کہاں؟ باد اجل

شمشاد جیسے طویل درخت کو بھی اکھاڑ سکتی ہے۔ اس عارضی دنیا کی بنیاد سیلاب پر رکھی ہے۔ کبھی بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ چراغ عمر کھلی ہوئی کھڑکی پر رکھا ہوا ہے۔ بس ہوا کا ایک جھونکا اس کو بجھانے کے لیے کافی ہے۔ نہ دنیا کا بھروسہ نہ زندگی کا بھروسہ درج ذیل اشعار میں شیخ سعدیؔ نے ہمیشہ کار خیر کرتے رہنے کی تلقین کی ہے:

جهان بر آب نهادست و زندگی بر باد　　غلام همت آنم که دل بر او ننهاد

جهان نماند و خرم روان آدمی　　که باز ماند از و در جهان بنیکی یاد

سرای دولتِ باقی نعیم آخرت است　　زمین سخت نگه کن چو می نهی بنیاد

کدام عیش درین بوستان که بادِ اجل　　همی بر آورد از بیخ قامت شمشاد

وجود عاریتی خانه ایست بر ره سیل

چراغ عمر نهادست بر دریچهٔ باد

سعدیؔ مشورہ دیتا ہے کہ اے بھائی دنیا کسی کی نہیں، صرف خدا سے دل لگاؤ۔ اس دنیا میں تجھ جیسے کتنے آدمی آئے اور راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔ جب اس دنیا سے جانا ہی ہے تو چاہے تخت پر موت واقع ہو یا زمین پر۔

جهان ای برادر نماند بکس　　دل اندر جهان آفرین بند و بس

مکن تکیه بر ملک دنیا و پشت　　که بسیار کس چون تو پرورد و کُشت

چو آهنگِ رفتن کند جانِ پاک

چه بر تختِ مردن چه بر روی خاک

حافظؔ (وفات: ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء) کا خیال ہے کہ افسوس زندگی اور جوانی کی چمک دمک ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے ایک دن وہ آئے گا کہ تو اپنے رشتہ دار اور عزیزوں سے جدا ہوگا، یہی

حکمِ ربی ہے:

دریغا خلعتِ روز جوانی　　گرش بودی طراز جاودانی
دریغا حسرتا درراکزین جوی　　بخواہد رفت آبِ زندگانی
ہمی باید برید از خویش و پیوند　　چنین رفتست حکم آسمانی

وکل اخ مفارقتہ اخوۃ
بعمر ابیک الا الغرقدان

نظیریؔ نیشاپوری (وفات: ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء) کا خیال ہے کہ زندگی کی تکالیف سے پریشان نہیں ہونا چاہئے بلکہ انکو صبر اور استقامت کے ساتھ جھیلنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ انسان کے رنج والم کا علاج درد میں ہی پنہاں ہے۔

نظیریؔ زندگی در دردِ دل جو
کہ دردتو مسیحای تو باشد

میر محمد شمس الدین خان کلان متخلص بہ غزنویؔ جو اکبر کے دور کا شاعر ہے ایک رباعی میں اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس نے اپنی جوانی کو نادانی میں گذار دیا اور باقی ماندہ ایام ندامت و پشیمانی کی نذر ہو گئے۔ دنیا میں صرف ناامیدی و نامرادی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہی اس کی زندگی کا حاصل ہے۔ حدیث نبوی ہے الدنیا مزرع الآخرۃ۔ اس حدیث کے پیش نظر انسان کو ہم وقت مصروف بہ عمل رہنا چاہیے۔ اور نیکیوں کے بیج بوتے رہنا چاہیے تا کہ آخرت میں اس کے پھل کا سکے۔

درجوانی حاصل عمرم بہ نادانی گذشت　　آنچہ باقی بود آن ہم در پشیمانی گذشت
ای جوان جز تخم نومیدی نکشتی در جہان　　موسم پیری رسید و وقتِ دھقانی گذشت

ابو طالب کلیم (وفات: ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء) نے بھی متعدد اشعار میں زندگی کا تصور پیش کیا ہے مثلاً کہتا ہے کہ زندگی سمندر میں لہروں کی مانند ہے جب لہر کنارہ پر آ کر آسودہ ہو جاتی ہے تو اسکا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر آ کر واپس جاتی ہے اور پھر آتی ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی برقرار رہتا ہے تو اسکا وجود باقی رہتا ہے یعنی زندگی دراصل حرکت و عمل پر منحصر ہے۔

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست
ما زندہ بآنیم کہ آرام نگیریم

بقول نظامی گنجوی ''زندگی یعنی امید و حرکت''

علامہ اقبال نے اسی نظریہ کو کچھ اس طرح ادا کیا ہے:

ساحلِ افتادہ گفت گرچہ بسی زیستم — ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من کیستم
موج ز خود رفتہ ای تیز خرامید و گفت — ہستم اگر میروم گر نروم نیستم

ابو طالب کلیم کا کہنا ہے کہ دنیا کی زندگی کو دو روزہ کہا جاتا ہے۔ دو روز سے مراد یوم پیدائش و روز وفات ہے۔ درمیانی ایام مشہور و سنین کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کلیم نے اس کی توجیہہ کتنے عمدہ طریقے سے کی ہے۔ دو روزہ حیاتِ انسانی کو اس طرح بدنام کیا گیا ہے کہ پہلا دن ان سے دل لگانے میں گذرا دوسرا دن دلی تعلقات توڑنے اور علایق سے گریز کرنے میں صرف ہوا۔

بد نامی حیات دو روزہ نبود بیش — آن ہم کلیم با تو بگویم چسان گذشت
یک روز صرفِ بستن دل شد باین و آن — روزِ دگر بکندنِ دل زین و زان گذشت

دوسرے شعر میں ابو طالب کلیم کا خیال ہے کہ زندگی ایک سمندر کی مانند ہے اور اسمیں حادثاتِ زمانہ مگرمچھ کی مانند ہیں۔ جسم کشتی کی طرح ہے موت کا آنا ایسا ہے جیسے کشتی کا کنارہ پر لگ جانا۔

بحر یست زندگی کہ نہنگش حوادث است

تن کشتی است، ومرگ بہ ساحل رسیدن است

ابوطالب کلیم کا خیال ہے کہ جو دنیا سے جاتا ہے وہ پھر کبھی واپس نہیں آتا یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

وضع زمانہ لایقِ دیدن دوبارہ نیست

روپس نکرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت

صائبؔ (وفات: ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء) کا خیال ہے کہ یہ دنیا آئینہ کی طرح ہے اور انسان کی زندگی ایک عارضی اور لمحاتی تصویر کی مانند ہے یعنی آئینے پر تصویرِ زندگانی کی نوعیت عارضی اور لمحاتی عکس کے سوا کچھ نہیں:

این جہان آئینہ وہستی ما نقش ونگار

نقش در آئینہ آخر چہ قدر خواہد ماند؟

صائبؔ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ انسان کی زندگی حباب کی مانند بہت مختصر ہے لیکن وہ کوئی تعمیری کام کرنے کے بجائے اسی کو بنانے اور سنوارنے میں لگا رہتا ہے۔

برسر آبروان زندگانی چون حباب

سادہ لوحی بین کہ رنگ خانہ میریزیم ما

صائبؔ کا مزید یہ بھی خیال ہے کہ جو لوگ غافل ہوتے ہیں وہ کوتاہی عمر کا شکوہ کرتے ہیں۔ لیکن بیدار اور عبادت گذار حضرات وقفۂ شب کو بھی ایک طویل عرصہ گردانتے ہیں، اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں اور اسکو یادالٰہی میں گذار دیتے ہیں:

غافل کند از کوتھی عمر شکایت　　شب در نظر مردم بیدار بلند است

صائبؔ کہتا ہے کہ رشتۂ زندگی کو دوام حاصل نہیں بلکہ اسکو منقطع ہونا ہی ہے لہذا اسکو غفلت میں گذارنا نیز اسی کے بنانے اور سنوارنے میں جان کھپا دینا بے سود اور لا حاصل ہے۔

این رشتۂ حیات کہ آخر گسستنی است
تا کہ گرہ بہم زنم و چند بگسلد

ایک اور شعر میں صائبؔ کہتا ہے کہ نیستی اور فنا انسان کا مقدر ہے اس لیے اس پر گریہ وزاری کرنا فعل نادانی اور شعوہ طفلانہ ہے لہذا یہاں نالہ وشیون اور شکوہ وشکایت کرنے کے بجائے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے:

بر درِ دارالامانِ نیستی استادہ ای
شمع من! از بیم جان این گریۂ طفلانہ چیست

زندگی زہر ہلاہل ہے، اس کے اثر سے کوئی بچ نہیں سکتا، جس نے اسکا مزہ چکھا وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسی وجہ سے عمر کا کاروان بھی کبھی سکون وآرام سے نہیں گزرتا۔ زندگی کا زہر آہستہ آہستہ اثر کرتا رہتا ہے:

زہری است زہرِ مرگ کہ شیرین نمیشود
ہر چند تلخ میگذرد روزگار عمر

ناصر علی سرہندی (۱۰۴۸ھ-۱۱۰۸ھ) وجود وعدم کی نہایت دلچسپ توضیح کرتا ہے۔ وجود ناپایدار ہے، کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے عدم جس میں قیام کی مدت کبھی ختم ہوگی، وجود کے مقابلے میں حبسِ دائمی ہے۔ اس وجہ سے وجود کو کچھ لوگ بہتر سمجھتے ہیں حالانکہ زندگی (وجود) سے کون ہے جو پریشان نہیں۔ یہ شاعر کی خیال پردازی کی ایک انوکھی مثال ہے۔

عدم زقرب جوار وجود زندان است

وگرنہ کیست کہ از زندگی پشیمانیست

بیدلؔ (پیدائش: ۱۰۵۴ھ۔ وفات: ۱۱۳۳ھ) زندگی کو تیر خطا یعنی نشانے پر نہ لگنے والے تیر سے تشبیہ دیتا ہے۔

دل بزبان نمی رسد لب بہ فغان نمی رسد

کسی بنشان نمی رسد، تیر خطاست زندگی

بیدلؔ زندگی سے عاجز ہو کر کہتا ہے کہ

ہر کجا رفتم غبارِ زندگی در پیش بود

یارب این خاکِ پریشان از کجا برداشتم

مزید کہتا ہے کہ زندگی تو گلے پڑ گئی ہے اس سے بچنا ناممکن ہے چاہے اسکو خوشی سے گزار لو یا رو کر گزار لو۔

زندگی بر گردن افتادہ است یاران چارہ چیست

چند روزی ہر چہ بادا باد باید زیستن

بیدلؔ کہتا ہے کہ موت کے سوا اس سے چٹکارہ حاصل نہیں:

خیالِ زندگی درد یست بیدل

کہ غیر از مرگ درمانی ندارد

غالبؔ نے بھی اسی مضمون کو اردو میں اس طرح باندھا ہے۔

قید حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

غالب (وفات ۱۲۸۵ھ/۱۸۵۹ء) کا نظریہ ہے کہ زندگی الجھنوں کا مجموعہ ہے۔

شوخی اندیشہ خویشت سر تا پای ما

تار و پود ہستی ما پیچ و تابی بیش نیست

علامہ اقبال (وفات ۔ ۱۹۳۸ء) کے نظریے کے مطابق، زندگی زمانے سے اور زمانہ زندگی سے عبارت ہے۔ یعنی ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فرمانِ نبوی ہے زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ اللہ ہی زمانے کا خالق ہے اور جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر زندگی اور زمانہ آزاد اور بے لگام نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

زندگی از دہر و دہر از زندگی است

لاتسبوا الدہر فرمانِ نبی است

علامہ اقبالؔ اس نظریہ کو پیش کرتے ہیں کہ ظاہر کو حُسنِ اخلاق اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہم وقت عشقِ الٰہی اور عشق رسولؐ سے معمور رکھنا ہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

زندگی در صدفِ خویش گہر ساختن است

در دل شعلہ فروریختن و نگداختن است

اقبالؔ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ زندگی کا راز حرکت و عمل اور تگ و دو میں پوشیدہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دل میں آرزو اور تمنا کی شمع فروزاں رکھے، تاکہ اسکا وجود جامد اور بے حس و حرکت بن کر نہ رہ جائے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است — اصل او در آرزو پوشیدہ است

آرزو را در دل خود زندہ دار — تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار

علامہ اقبال نے اردو کے کئی اشعار میں بھی حرکت وعمل کی تلقین کی ہے جن میں سے ایک مشہور شعر یہ ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

(علامہ اقبالؔ)

علامہ اقبالؔ کے نزدیک زندگی کو بے لگام نہیں بلکہ عشق الٰہی اور عشق نبیؐ کے تابع ہونا چاہیے:

زندگی را شرع و آئین است عشق
اصل تہذیب است دین، دین است عشق

دور حاضر کے افغانی شاعر خلیل اللہ خلیلی (۱۹۰۷م وفات: ۱۹۸۷ء) کے نزدیک زندگی جہدِ مسلسل، عزم مصمم، ہمتِ مردانہ سے عبارت ہے زندگی کا انحصار حرکت وعمل پر ہے۔

زندگی عشق است وآہنگ طپش ہای دلست
پر زدن بر دور شمعِ آرزو پروانہ وار

زندگی جہد است ورنج است وجد الست وطپش
زندگی عزم است وہمت، زندگی کار است کار

خلیلی نے ایک رباعی میں زندگی کا نظریہ اس طرح پیش کیا ہے کہ زندگی کا گلشن، خار یعنی رنج وغم سے پر ہے اس میں غم وآزار سے حضر ممکن نہیں۔ زندگی کی مثال ایک گل کی سی ہے جس کے نصیب میں سوائے خار اور مایوسی کے کچھ نہیں:

در گلشن زندگی بجز خار نبود جز درد وغم ومحنت وآزار نبود

امید نکرد گل کہ یاس آمد بار   سرتا سر زندگی جز این کار نبود

فارسی شعرائے نے زندگی کے گوناگوں روپو کا بیان اپنے کلام میں نظم کیا ہے راقم نے فارسی کے چند شعرا کے کلام سے ان کے ایسے اشعار کی توضیح پیش کی ہے جس میں حیات و ممات کے بارے میں ان کے دلچسپ خیالات پیش کئے گئے ہیں۔

:- منابع :-

۱۔ تاریخ سیتان، بتصحیح ملک الشعرا بہار، ص: ۲۱۰-۲۰۹، ۱۳۱۴ شمسی، تہران۔

۲۔ محیط زندگی واحوال واشعار رودکی، سعید نفیسی، ص: ۴۹۵، چاپ سوم، ۱۳۳۶ شمسی، تہران، ایران۔

۳۔ ایضاً، ص: ۵۰۳

۴۔ پیام خیام، ظفر قریشی وسعید احمد، ص: ۱۵۶، برقی پریس، ۱۹۳۲ء برقی پریس دہلی۔

۵۔ ایضاً، ص: ۱۵۹

۶۔ ایضاً، ص: ۱۷۲

۷۔ ایضاً، ص: ۱۴۵

۸۔ ایضاً، ص: ۱۵۴-۱۵۵

۹۔ دیوان قصائد وغزلیات نظامی گنجوی، بتصحیح سعید نفیسی، ص: ۲۶۳، سال اشاعت ندارد، ایران۔

۱۰۔ کلیات سعدی، بہ اہتمام محمد علی فروغی، ص: ۴۳۱، ۱۳۶۹ شمسی، تہران، ایران۔

۱۱۔ ایضاً، ص: ۷۱۰

۱۲۔ ایضاً، ص: ۳۸

۱۳۔ دیوان حافظ شیرازی، باہتمام سید محمد رضا جلالی نائینی۔ و۔ دکتر نذیر احمد، ص: ۲۲۶-۲۲۷، ۲۲۷، چاپ ہفتم، ۱۳۷۰ شمسی، ایران۔

۱۴۔ فارسی غزل کا ارتقا، ڈاکٹر نجیب جمال، ص: ۱۹۳، بشمول دانش سہ ماہی، شمارہ نمبر ۲۶، تابستان ۱۳۷۰ش، اسلام آباد (پاکستان)

۱۵۔ نگاہی بہ تاریخ ادب فارسی در ہند، دکتر توفیق۔ سبحانی، ص: ۳۵۵، ۱۳۷۷ شمسی، تہران، ایران۔

۱۶۔ دیوان ابوطالب کلیم کاشانی، بتصحیح و مقدمہ ح۔ پرتو بیضائی، ص: ۶۲۶، ۱۳۳۶ شمسی، تہران، ایران۔

۱۷۔ کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، بامقدمہ احمد سروش، ص: ۲۳۷۔۲۳۵، ۱۳۴۳ شمسی، ایران۔

۱۸۔ حیات وتصنیفات مرزا ابوطالب کلیم ہمدانی، ڈاکٹر شریف انساء بیگم انصاری، ص: ۱۲۹، ۱۹۶۱ء، حیدرآباد، دکن۔

۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۲۸

۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۲۳

۲۱۔ کلیات صائب تبریزی، امیر فیروز کوہی، ص: ۵۵۲، ۱۳۳۳ شمسی، ایران۔

۲۲۔ ایضاً، ص: ۸۷۲

۲۳۔ ایضاً، ص: ۸۷۳

۲۴۔ ایضاً، ص: ۸۷۳

۲۵۔ ایضاً، ص: ۸۷۳

۲۶۔ ایضاً، ص: ۸۷۳

۲۷۔ سبک شاعری ناصر علی سرہندی، دکتر رشیدہ حسن، ص: ۲۱۸، بشمول دانش سہ ماہی، شمارہ نمبر ۶۱۔۶۰، ۲۰۰۰ء، اسلام آباد، پاکستان۔

۲۸۔ کلیات دیوان مولانا بیدلؔ دہلوی، باتصحیح خال محمد خستہ خلیل اخلیلی، باہتمام حسن آہی، ص: ۱۱۷۶، ۱۳۶۶ھ شمسی ایران۔

۲۹۔ ایضاً، ص: ۸۲۹

۳۰۔ ایضاً، ص: ۱۰۵۴

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن (زندگی در گردنم افتاد بیدل چاره نیست

دانش سہ ماہی شمارہ نمبر ۴۳، صفحہ: ۴۲، ۱۹۹۵ء، اسلام آباد، پاکستان)

۳۱۔ کلیات دیوان مولانا بیدل دہلوی، ایضاً ص: ۵۹۵۔

۳۲۔ دیوان غالب (اردو)، ص: ۱۱۱، ۱۹۹۷ء نئی دہلی۔

۳۳۔ دیوان غالب دہلوی (فارسی)، ص: ۴۴، بہ اہتمام محسن کیانی، ۱۳۷۶ شمسی، ایران۔

۳۴۔ کلیات اشعار فاسی مولانا اقبال لاہوری، ایضاً، ص: ۵۰

۳۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۶

۳۶۔ ایضاً، ص: ۱۳

۳۷۔ Amir Khusraw as Genius Syed Sabahuddin Abdur Rahman, P: 109, 1982, Delhi

۳۸۔ مختصری از شرح حال و آثار استاد خلیلی، سید علی رضا نقوی، صفحہ: ۳۸، بشمول دانش سہ ماہی، نمبر ۱۲، زمستان: ۱۳۶۶ شمسی، اسلام آباد (پاکستان)

۳۹۔ ایضاً، ص: ۱۱۳۔

استاد بزرگوار دکتر ابراہیمی از دانشگاہ تہران، ورد اُتاق ایران بخش فارسی دانشگاہ کشمیر۔

استاد ابراھیمی در کتابخانہ باشال بردوشی مبارک۔

رئیس بخش فارسی پروفیسور (دکتر) محمد منور مسعودی در جلسه افتتاحیه کنگره خطاب می کنند۔

شرکای خارجی در جلسه کنگره۔

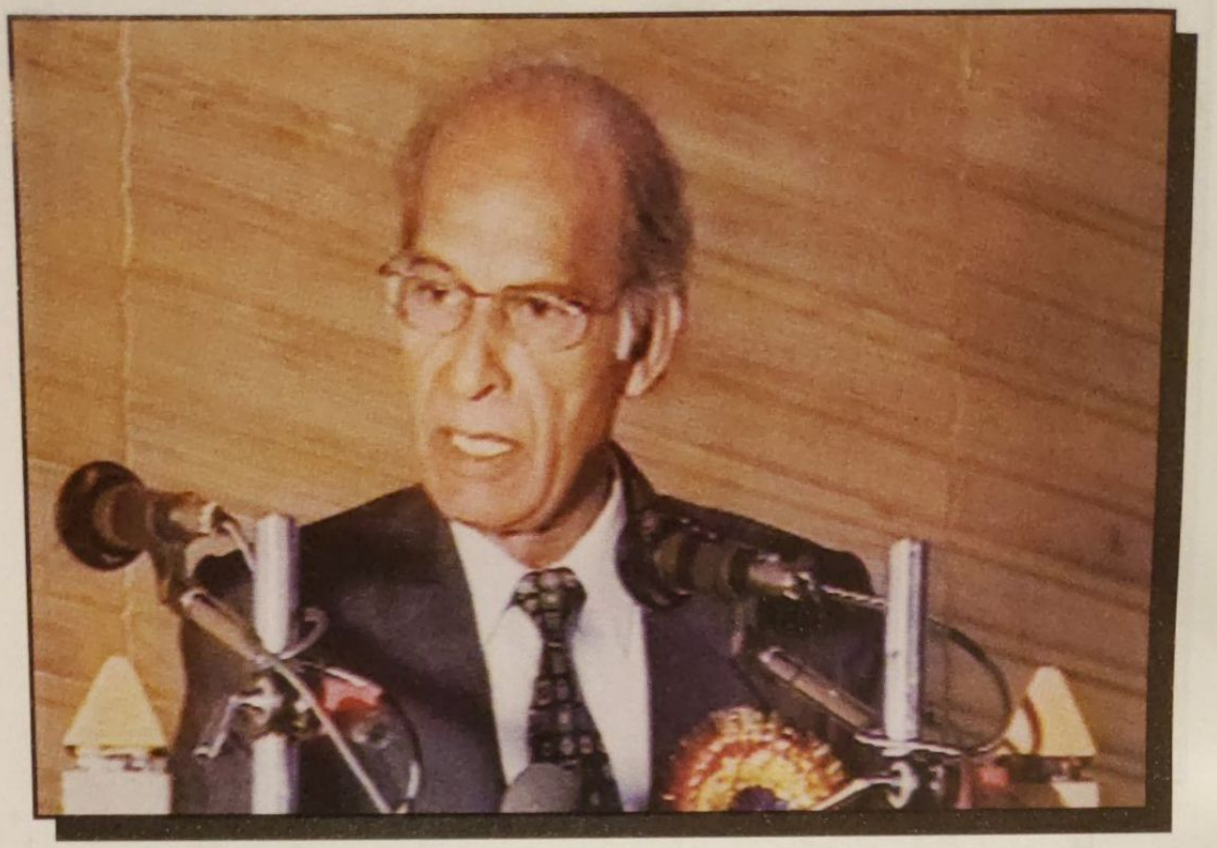

خطاب صدارت از استاد بزرگوار پروفیسور شریف حسین قاسمی۔

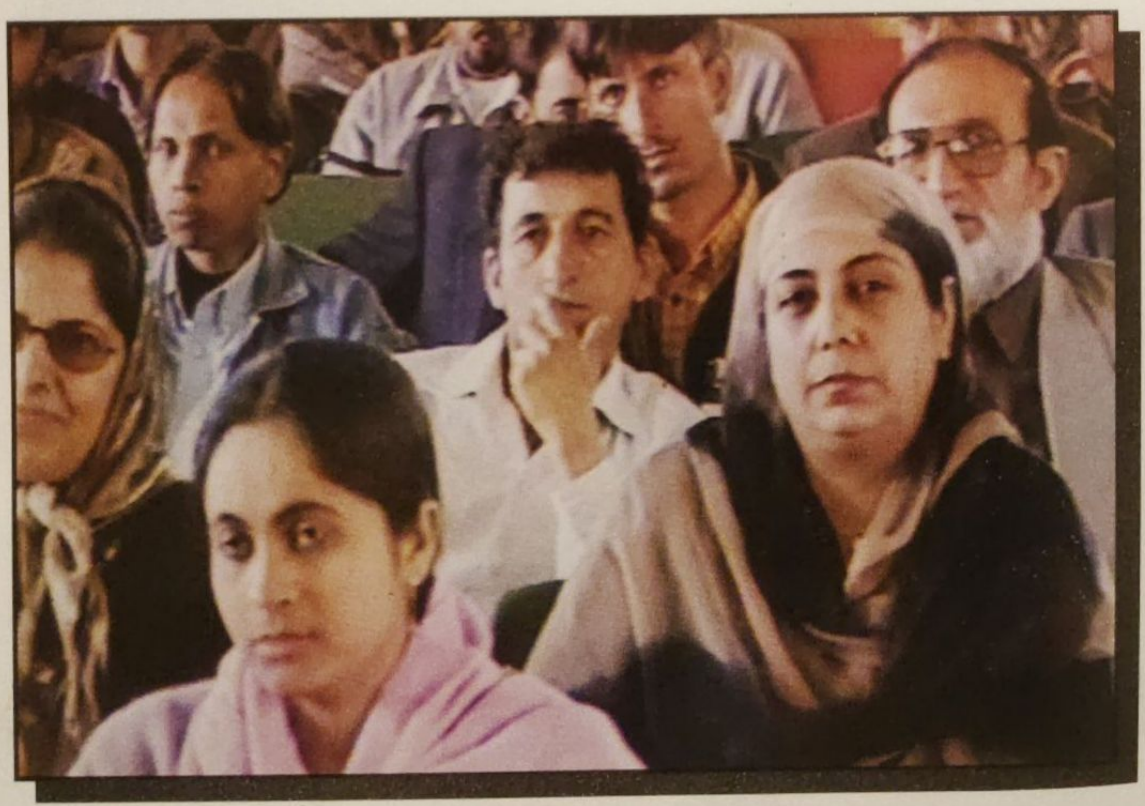

استادان ودانشجویان فارسی در کنگره۔

رئیس بخش فارسی مہمانان گرامی حجت الاسلام محسن میری ورایزن محترم خانہ فرہنگ ایران دہلی
نو جناب دکتر کریم نجفی ومہمانان دیگر

مہمانان گرامی ایران دراشتیاق احوال پرسی چگونگی فارسی درین ناحیہ